ماہنامہ

شانِ ہند

دہلی

With Special
FAMILY PLANNING
Supplement

JALIL KHAN
"JALIL" JHALAWARI.

LADIES WAITING FOR FAMILY PLANNING
OPERATION IN A SPECIAL CAMP AT
MALOT (FEROZPURE) (Pb.)

60 Paise

[illegible] 1968

AKBAR ALLAHABADI

یہ دفتر میں سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ یہ ہمیشہ خوش خوش اور چاق چوبند دکھائی دیتی ہیں۔ کڑی محنت اور اچھے کام کی بدولت آپ ٹائپسٹ سے ترقی کر کے اس عہدے پر پہونچی ہیں۔ ان کا کہنا ہے: "میں اپنا کام خوب دل لگا کر کرتی ہوں۔ اس لئے کہ مجھے گھربار یا بچوں کی طرف سے کوئی فکر یا اُلجھن پریشان نہیں کرتی۔ میری اور میرے خاوند کی آمدنی سے ہمارے چھوٹے سے کُنبے کی سبھی ضرورتیں بخوبی پوری ہو جاتی ہیں۔ ہمارے تین بچے ہیں۔ تینوں اچھی تعلیم پا رہے ہیں۔ انہیں ہر قسم کی معقول سہولتیں حاصل ہیں۔ ہمارا تیسرا بچہ چھ برس

پہلے ہوا تھا۔ اُسی وقت ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ اب ہمارے یہاں اور بچہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں، میں سچ مچ بڑی خوش ہوں۔"

یہ خُوش ہیں —

اور آپ ؟

JAVP 66/315

سالِ اجراء　　　رجسٹرڈ نمبر ڈی ۱۷۱　　　فون نمبر ۲۱۳۲۵۴

ماہنامہ شانِ ہند دلّی

ستمبر ۱۹۶۸ء

ایڈیٹر:- سرور تونسوی　　　قیمت سالانہ: چھ روپیہ　　　فی پرچہ: ساٹھ پیسے

جلد ۲۹	ستمبر ۱۹۶۸ء (جس میں فیملی پلاننگ سپلیمنٹ شامل ہے)	شمارہ ۹

افکار و واقعات

اُردو زبان کا مذبح ہرِکُن اَبُولُو | انجمن ترقی اُردو ہند (علی گڈھ)

"ایڈیٹر" شانِ ہند" کی علالت کے باعث اس ماہ جناب شمس کنول مدیر "گگن" بمبئی حسبِ ذیل مضمون "افکار و واقعات" کی زینت بن رہا ہے۔" (ادارہ)

آپ نے جاگو کا نام سُنا ہوگا۔ رات بھر گھوڑے کی حفاظت کے لئے ملازم رکھے گئے تھے۔ مگر لمبی تان کر سو گئے۔ چور آئے اور گھوڑا اکھول کر لے گئے جاگو نے گھوڑے کی جگہ خر گوش لا باندھا اور مالک سے کہنے لگے کہ حضور! رات بھر گھوڑے پر کھڑا پہرا دیا ہے گھس گیا ہے وہ بہر صورت گھوڑا ہے عافیت ہے! ——— دشمنوں نے اُردو پر شب خون نہیں مارا بلکہ دن دہاڑے لوٹا ہے، اس حد تک کہ اب برج باؤ پہچانی نہیں جاتی۔ مگر انجمن ترقی اردو اور اس کی شاخوں کے ارکان کا یہ کہنا کہ سب تو خیریت ہے، شور کیوں کرتے ہو، ماتم کس بات کا ہے، اگر یوں ہی روتے رہے تو سرکار ناراض ہو جائے گی۔

پنڈت آنند نارائن مُلّا جو کبھی خود جاگو کے عہدے پر رہ چکے ہیں اب اپنے پچھلے ساتھیوں کے متعلق رو رو کر کہنے لگے ہیں کہ انجمن کے عہدے داروں میں پروفیسر حضرات اور ایسے لوگ شامل ہیں جو مستقل طور پر اپنی کرسیوں سے چپٹے ہوئے ہیں۔ یہ حضرات انجمن کا دماغ تو بن سکتے ہیں لیکن شانہیں نہیں بن سکتے یہ عوام تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ان کے دُکھ درد اور احساسات کو سمجھ سکتے ہیں۔

ضرورت ہے کہ اُردو کو عوام کے قریب لایا جائے اور انجمن میں نیا خون داخل کیا جائے ایسا نہیں ہونا چاہئیے کہ چند بوڑھے اور آرام طلب پروفیسر تو مستقل کرسیوں پر بیٹھے رہیں اور عوام سے تقاضا کریں کہ ہماری کرسیوں کے نیچے تم تحریکات چلاؤ۔ جب عوام یہ کام کریں گے تو انہیں ذمے داری بھی ملنا چاہئیے اس لئے تمام پُرانے عہدے داروں کو اپنے عہدوں سے ہٹ کر عوام کے لئے جگہ خالی کرنا چاہئیے۔ جب تک ایسا نہ ہوگا انجمن پر اسی طرح ایک جمود طاری رہے گا۔

یہ جمود تب سے طاری ہوا جب سے بابائے اردو مولوی عبدالحق پاکستان کو پیارے ہوئے اور انجمن ترقی اُردو ہند کی

باگ ڈور چند ابن الوقت سرخوں اور حکمراں نواز کانگریسیوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ انھوں نے اردو کی زندگی پر کانگریسی حکمرانوں کی خوشنودی کو ترجیح دی یعنی گوڈ چیلڈ بن کر حقیقی ماں کی اہمیت سے انکار کیا اور نئے باپ کے کہنے پر چلنے لگے۔

انجمن ترقی اردو اور اسکی شاخوں کے ارکان کو اس حقیقت سے انکار ہے کہ انجمن پر جمود طاری ہے یا انجمن نے اردو زبان کی کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ انجمن نے اپنے عہد میں اردو زبان کی تقریباً دو سو کتابیں شائع کی ہیں۔ اگر کتابیں شائع کرنا ہی اردو زبان کی خدمت ہے تو نولکشور پریس نے اردو زبان کی سب سے زیادہ کتابیں شائع کی ہیں، مکتبہ جامعہ بھی یہی خدمت انجام دیتا ہے اور پاکٹ بک سیریز والے پبلشر بھی اس سلسلے میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں اس کے ساتھ مذکورہ پبلشروں کی کتابیں انجمن کی کتابوں سے طباعت اور گٹ اپ کے اعتبار سے کہیں زیادہ صاف ستھری اور خوبصورت ہوتی ہیں اور موضوعات کے اعتبار سے زیادہ مفید بھی جس ادارے کے پاس اپنی ڈھائی سو کتابیں موجود ہوں وہ اپنا سالانہ خرچ فروخت کے منافع سے بآسانی پورا کر سکتا ہے مگر انجمن کو اپنی کتب کی سیل سے کوئی واضح منافع نہیں ہوتا اس لئے کہ انجمن کی کتب میں مفید اور کارآمد موضوعات سے متعلق نہیں ہوتیں۔ وہ اغلاط سے اس حد تک پُر ہوتی ہیں کہ ہر کتاب کا اغلاط نامہ اکثر کتاب کے حجم کے برابر ہوتا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے کتاب اسلئے مفید اور کارآمد نہیں ہوتی کہ انجمن کے ارکان موضوع سے زیادہ لکھنے والے کی ذات پر توجہ دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ دوست نوازی کی یہ عادت انجمن کے کاروبار کو متاثر کرتی ہے۔ ایجنسیوں کے توسط سے ایک عام پبلشر بھی اپنی کتابیں ہر اہم بستی کے بازار تک پہنچا دیتا ہے مگر انجمن ترقی اردو اس معمولی ٹیکنک سے بھی نا واقف ہے۔ انجمن اپنی کتابوں کے اشتہارات (معاوضے یا تبادلے کی بنیاد پر) بھی اردو رسائل اور اخبارات میں شائع کروانے کی کوشش نہیں کرتی اور نہ اپنی کتابوں پر تبصرہ کروانے پر توجہ دی جاتی ہے۔ چناں چہ انجمن زرِ کثیر صرف کر کے جو کتابیں شائع کرتی ہے اُن سے نہ انجمن کو کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ اردو داں عوام کو علم حاصل ہوتا ہے۔

انجمن ترقی اردو ہند کی جانب سے دو تین اردو رسائل بھی شائع ہوتے جن میں ہفت روزہ "ہماری زبان" جانا پہچانا ہے۔ یہ بات آج تک سمجھ میں نہیں آسکی کہ انجمن اس ہفت روزہ کو شائع کرنے کی کیوں ضرورت محسوس کرتی ہے اور اس کے خرچ کے سلسلے میں زیرِ بار رہ کر انجمن اردو زبان کی کیا خدمت انجام دے رہی ہے؟ جبکہ ملک میں ایک دو نہیں سیکڑوں اردو جرائد شائع ہو رہے ہیں۔ اگر مشاعروں کی رپورٹیں، اردو جلسوں کی روئدادیں، اردو زبان سے متعلق اعلانات اور کتابوں پر تبصرے ہی شائع کرنا "ہماری زبان" کا مقصد ہے تو یہ فرض ہر علاقے کے اردو روزنامے بڑی خوبی، دیانت داری اور مستعدی سے انجام دے رہے ہیں اور یہ بھی کہ تقریباً ہر اردو روزنامہ یہ فرض "ہماری زبان" کے بہ نسبت زیادہ جلد انجام دیتا ہے اور روزنامہ ہونے کی بنا پر زیادہ ہاتھوں میں پہنچتا ہے اگر نو سیکھئے شاعروں اور نثر نگاروں کی ہمت افزائی مقصود ہے تو یہ خدمت بھی ہندوستان کے درجنوں اردو ماہنامے انجام دے دیتے ہیں اور اکثر ماہ ناموں کی تعداد اشاعت یا ریڈرشپ ہفت روزہ "ہماری زبان" سے زیادہ ہے۔

دراصل "ہماری زبان" دوست نوازی کا ایک ممی ڈرم ہے۔ "ہماری زبان" انجمن ترقی اردو ہند کا آرگن نہیں بلکہ انجمن کے جلد ارکان کی ہندوستان گیر دوستی کا آرگن ہے اس جریدے میں اُن ہی قلم کاروں کی تخلیقات شائع ہوتی ہیں جو "سخن فہم" نہیں بلکہ غالب کے طرفدار ہیں۔ اس جریدے کے صفحات پر ہر اس شخص کی بات دیکھی جا سکتی ہے جو انجمن کا ہمنوا ہے۔ اس ہی کی کتاب پر تبصرہ کیا جاتا ہے جو انجمن کے کسی رکن کا دوست ہے اور اُن ہی اداریوں کے اقتباسات شائع کئے جاتے ہیں جن کی لے انجمن کی لے سے ملتی جلتی ہوتی ہے مگر ایسے کسی فرد کی تحریر یا کسی جریدے کے اداریے کا اقتباس "ہماری زبان" میں جگہ نہیں پا سکتا کہ جس نے اپنی تحریر یا اپنے اداریئے کے ذریعے انجمن کے سامنے کوئی نیک تجویز پیش کی ہو یا انجمن کو کچھ کرنے کا مفید مشورہ دیا ہو۔

"ہماری زبان" کے آدم اور حوا دونوں نرالے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ جریدہ اردو زبان کی بقا اور فروغ کیلئے شائع ہوتا ہے مگر اس کا ہر تیسرا اداریہ کسی کانگریسی نیتا کے جنم دن یا برسی سے متعلق ہوتا ہے اور "ہماری زبان" کے مدیر محترم اُن نیتاؤں

کی یاد میں اکثر پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے ہیں جن کے اُردو دشمن کارناموں کے نتیجے میں آج ہر وہ شخص خون کے آنسو رو رہا ہے جس کو اُردو زبان سے تھوڑی بہت بھی محبت ہے۔ اگر فاضل مدیر کا یہ خیال ہے کہ پندرہ اگست، چھبیس جنوری، تاشقند معاہدہ، نہرو کی برسی یا گاندھی جینتی کے موضوع پر اداریہ لکھنا اس لئے ضروری ہے کہ وہ تاریخ کے اہم دن یا ناقابل فراموش واقعات ہیں اور ہندوستانی جنتا کے لئے پنڈت نہرو یا گاندھی جی کا نام بہت محترم ہے۔ تو عرض ہے کہ ان باتوں اور ناموں کو یاد دلانے کا کام ملک کے بہت سے سیاسی اخبارات انجام دے رہے ہیں۔ یہ کام اس "ہماری زبان" سے کیوں لیا جا رہا ہے جو ایک مخصوص مقصد کے لئے شائع کیا جاتا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ اُردو زبان کو اخلاق، تہذیب و تمدن سے الگ نہیں کیا جا سکتا تو پھر اس محترم ذات کو بھی کبھی کبھی یاد کیا جانا چاہیے جس کو اردو داں طبقے کی اکثریت محمدؐ کے پیارے نام سے پکارتی ہے اور جس نے اخلاق کی ایک مثالی تعلیم دی اور پھر اس سانولے سلونے کرشن کو بھی یاد کیجیے جس نے حق سے زیادہ فرض پر زور دیا اور کپل وستو کا وہ راجکمار بھی ناقابل فراموش نہیں جس نے کالے اچھوت گورے براہمن کے برابر لا کھڑا کیا اور مساوات کے اس جذبے کو بھی یاد کیجیے جو تاریخ میں عمر فاروقؓ کے محترم نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جو گاندھی جی کی طرح خود برلا کی بکری کا دودھ پی کر اپنی جنتا کو صرف دجلہ یا فرات کا پانی پینے پر مجبور نہیں کرتا تھا۔ آخر "ہماری" زبان کے فاضل مدیر کو یہ گمان کیوں ہے کہ اخلاق، تہذیب و تمدن کا سارا ٹھاٹھ کانگریسی نیتاؤں کو ہی ملا ہوا ہے صرف اتنا ہی نہیں ——

بلکہ "ہماری زبان" کے فاضل مدیر جب کسی ادبی کانفرنس یا شہری اجتماع پر تبصرہ فرماتے ہیں تو بھی قارئین کو اپنے قلم کی جادوگری سے حقیقت کو سمجھنے کا موقع نہیں دیتے۔ سنہ ۱۹۶۳ء میں دلی کے لال قلعے میں "یوم ظفر" کے سلسلے میں سرکاری طور پر ایک مشاعرہ منعقد ہوا تھا۔ اداریے کی صورت میں اس مشاعرے کی جو رپورٹ "ہماری زبان" میں شائع ہوئی اس کے چند جملے ملاحظہ ہوں:۔

دلی میں آج کل جیسے مشاعرے ہوتے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے یوم ظفر[1] کا مشاعرہ خاصا کامیاب کہا جا سکتا ہے، مگر سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سے جو توقعات تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں! یعنی ایک ہی سانس میں دو متضاد باتیں۔ اس سلسلے کی آخری سطریں یہ ہیں:۔

"بہ حیثیت مجموعی یوم ظفر کا پہلا جلسہ اور مشاعرہ دونوں اپنی مخصوص نوعیت اور تاریخی حیثیت کی وجہ سے یادگار رہیں گے!"

اب ذرا غور کیجیے کہ خاصا کامیاب رہا، توقعات پوری نہیں ہوئیں، اور جلسہ اور مشاعرہ دونوں یادگار رہیں گے!

ایسا نہیں ہے کہ فاضل مدیر سوچنے یا پرکھنے کی صلاحیت (خدا نہ کرے) نہیں رکھتے، وہ صاحب نظر ہیں اور صاحب رائے بھی، بس بات یہ ہے کہ وہ سیاست کی عینک سے دیکھتے ہیں اور کرسی کی مصلحت دوٹوک بات کہنے میں مانع آتی ہے۔

ظاہر ہے کہ "ہماری زبان" ایک عوامی جریدہ ہے لیکن اس کے ذریعے ذاتی دوستی کا فرض ادا کرتے ہوئے قارئین کو بُری طرح گمراہ کیا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں "سحر ہونے تک" نام کی ایک کتاب شائع ہوئی۔ ناٹک نویس جناب آغا جانی کشمیری اس کے مصنف ہیں

اُردو گھر میوزیم ہوگا یا امام باڑہ؟ یا برج بانو کا روضہ؟ مرنے سے پہلے شاہنشاہوں کے لئے مزار تعمیر کئے جاتے تھے۔

کیا دلی کی انجمن کو اُردو کی موت کا یقین ہو چلا ہے؟ "سحر ہونے تک" اپنی لغو تحریر اور اپنے عریاں مواد کی بنا پر سنجیدہ طبقے میں پسند نہیں کی گئی۔ انگریزی زبان کا فلمی ہفت روزہ "اسکرین" جو ناچ اور رنگ اور جنسی علامتوں کو اپنے لئے جائز سمجھتا ہے اس نے بھی اس کتاب کے بے ربط مواد اور مصنف کی دروغ بیانی کی مذمت کی۔ مگر "ہماری زبان" کے دوست نواز مدیر نے اس کتاب کو "مزے دار سچ" کا نام دیا —— بڑے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ ——

"ہماری زبان" کے ادارے سے ایسے چند چھٹ بھیّے اور بونے حضرات بھی تعلق رکھتے ہیں جو اس عوامی ملکیت کے جریدے کے ذریعے اپنے ذاتی ازم کا پروپیگنڈا کرنا اپنا مقصد بنائے ہوئے ہیں۔ خلیل الرحمٰن اعظمی اور شہریار اپنی سیاسی ڈپلومیسی اور بلاک سازی

[1] زبان کے اعتبار سے "یوم ظفر کے اس مشاعرے کو خاصا کامیاب کہا جا سکتا ہے۔" لکھنا درست ہوگا۔

سے وہی کام انجام دے رہے ہیں جو ہندوستان میں امریکی سفیر کو انجام دینا چاہیئے اور دراصل یہ کام ان کا روزگار ہے۔ اعظمی صاحب جن کی رفتار خود بے ڈھنگی ہے وہ زمانے کی رفتار کا جائزہ لیتے ہیں اور جناب شہریار جو صرف یاروں کے یار ہیں وہ محض یاروں کی کتابوں پر تبصرہ فرماتے ہیں۔ جہاں تک اُن کی تبصرہ دینے کی صلاحیت کا تعلق ہے تو وہ اس حد تک ہے کہ اگر وہ 'نگار' سے تین منتخب اشعار نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں تو ان میں سے دو غلط ہوتے ہیں اور 'مگل باز' میں سے اگر پانچ اشعار انتخاب کرتے ہیں تو ان میں سے تین نادرست ہوتے ہیں یعنی اُردو زبان کی ترقی اور فروغ کے لئے جو انجمن قائم کی گئی ہے اس انجمن کے آرگن کے تبصرہ نگار کو اُردو زبان کے اچھے بُرے شعر کی پہچان بھی نہیں ہے۔ 'ہماری زبان' میں شائع ہونے والے تبصروں سے متعلق یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو مدیر یا مصنف انجمن ترقی اردو ہند کی پالیسی سے متفق نہیں ہے اسکے جریدے یا اس کی تصنیف پر 'ہماری زبان' میں تبصرہ شاذ و نادر ہی دیا جاتا ہے جبکہ جناب خلیل الرحمان اعظمی کے 'نیا عہد نامہ' پر قسط وار تبصرے اور مقالے شائع کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے 'ہماری زبان' کے فاضل مدیر کی نظر میں 'نیا عہد نامہ' کی وہی اہمیت ہو جو New Tastment کو یا مولانا آزاد کے 'ترجمان قرآن' کو حاصل ہے۔

جو اردو جریدے کسی فرد یا چند افراد کی ملکیت ہیں ان کو حق ہے کہ وہ اپنے نظریے یا اپنے مذہب یا کسی سیاسی جماعت کا پروپیگنڈہ کریں۔ کسی کو یہ مجاز نہیں کہ ان کو اپنے ازم کا پرچار کرنے سے روکے۔ چنانچہ ہندوستان کے کئی اُردو جریدے جدید شاعری کو فروغ دینے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں بھی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں لیکن انجمن ترقی اُردو ہند جیسے عوامی ادارے کے عوامی جریدے 'ہماری زبان' کو جناب خلیل الرحمٰن اعظمی نے کس طرح اپنی یا اپنے والد محترم کی ملکیت سمجھ رکھا ہے؟ وہ تقریباً ہر ہفتے "رفتار" کے تحت کسی کے ایا سے جدید شاعری کا پرچار کرتے ہیں اور ان کو یہ گمان کیوں ہے کہ وہ جو فرماتے ہیں وہ درست ہے؟ یہی نہیں بلکہ اعظمی صاحب ان اُردو جریدوں کو بھی قطعاً برداشت نہیں کر پاتے جو جدید شاعری کے حق میں نہیں ہیں پچھلے دنوں حیدر آباد کے جریدے 'خون ناب' کو انھوں نے اپنی بیجا تنقید کا نشانہ صرف اس لئے بنایا کہ اس جریدے نے جدید اور قدیم شاعری کے سلسلے میں غیر جانبدار ہونے کا اظہار کیا تھا۔

یہاں جدید شاعری کے سلسلے میں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ یہ ایک امریکی تحریک ہے اور یہ تحریک ادبی ہے نہ سماجی بلکہ قطعی طور پر سیاسی تحریک ہے اور باخبر حلقوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ اس تحریک کو کامیاب بنانے میں امریکی سرمایہ بھی کام کر رہا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہندوستان کی انجمن ترقی اُردو یا اس انجمن کے ارکان اور امریکی سرمائے میں کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کا جواب فی الحال نامعلوم ہے!

انجمن ترقی اُردو کا رُکن وہی بنتا ہے جو کینٹی مار ہوتا ہے۔ جو لوگ ہر ۲۶ ویں جنوری کی صبح کو اپنا نام اخبار میں تلاش کرنے کے عادی ہوں وہ حکمراں طبقے کے سامنے اُردو زبان کی بقا کیلئے اپنا منھ نہیں کھول سکتے!

قطع نظر ان حقائق کے 'ہماری زبان' کی طباعت صاف ستھری ہوتی ہے اور یہ اپنی مقررہ تاریخوں پر پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ ہندوستان کے اکثر اُردو جرائد میں ایسی خوبیاں کم پائی جاتی ہیں لیکن ان اچھائیوں کے باوجود 'ہماری زبان' کی تعداد اشاعت کم ہے اور ریڈر شپ محدود ہے اور نتیجے میں یہ آرگن اقتصادی اعتبار سے کامیاب نہیں۔ جبکہ ہندوستان میں ایک نہیں بلکہ درجنوں ایسے اُردو جرائد موجود ہیں جو کسی نہ کسی حد تک اپنے مالکان کے لئے منافعے کے باعث بنے ہوئے ہیں پھر "ہماری زبان" خسارے کا باعث کیوں ہے؟ اس لئے کہ انجمن ترقی اردو کی کتب کی طرح انجمن کے اس جریدے کی نکاسی پر بھی توجہ نہیں دیجاتی، نہ کبھی سالانہ خریدار بنانے کی کوئی مہم شروع کیجاتی ہے، نہ ایجنسیاں بنانے پر توجہ دیجاتی ہے اور نہ اشتہارات کی حصولی کا کوئی پروگرام بنایا جاتا ہے۔ انجمن کے فرض ناشناس ارکان کی اس شان بے نیازی کا سبب یہ ہے کہ 'ہماری زبان' پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے وہ ارکان کی جیب سے نہیں بلکہ سرکار کے خزانے سے فراہم کیا جاتا ہے اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ وظیفہ خور فضول خرچ ہوتا ہے اور اپنے خون پسینے سے کمانے والا کفایت شعار — چنانچہ انجمن ترقی اُردو کے ارکان بھی 'ہماری زبان' کے نام پر قوم کی دولت ضائع کرتے ہوئے درد محسوس نہیں کرتے!

یہی حال انجمن ترقی اُردو ہند کی شاخوں کا ہے۔ ہر شاخ خشک کمزور اور خاردار ہے۔ بمبئی کی انجمن ترقی اردو سب سے زیادہ ناکارہ شاخ ہے

اس شاخ کا عموماً ہر رکن اپنی احساسِ کمتری کی بنا پر اور حصولِ عزت کی خاطر اُردو دوست بننے کا دعویٰ کرتا ہے ورنہ اس کی ذات سے اُردو کو نقصان اکثر اور فائدہ کبھی نہیں پہنچا۔ دراصل شہر بمبئی کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے۔ مختصر طور پر یہ ذکر بات کو سمجھنے میں مدد پہنچائے گا کہ اکیس بائیس برس پہلے بمبئی کے چند اُردو صحافیوں نے اپنی ایک انجمن بنائی پہلی نشست میں منشور تیار کیا گیا اور عہدے داران کا انتخاب ہوا منشور کتابچہ زیرِ طباعت ہی تھا کہ ممبران میں اختلاف پیدا ہوا اور چلنے نہ پانے سے پہلے ہی انجمن کو موت آ گئی مگر اسی اثناء میں انجمن کے جنرل سکریٹری انجمن کے نام کے لئے لیٹر فارم چھپوا چکے تھے۔ چنانچہ بیس برس تک وہ صاحب اُن لیٹر فارم کی بنیاد پر اپنے آپ کو صحافیوں کی اس مری ہوئی انجمن کا سیکرٹری بتاتے رہے اور اپنے ذاتی مسائل حل کرتے رہے یہ کام اگر یہ اب بھی جاری رکھتے مگر حال ہی میں وہ لندن کو پیارے ہو چکے ہیں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بمبئی کی انجمن ترقی اُردو کے ارکان بھی کچھ ایسا ہی مزاج رکھتے ہیں وہ انجمن کا رکن ہونا اسلئے ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کو ادبی اجتماعوں، مشاعروں، قوالیوں، ڈرامائی پروگراموں اور ثقافتی ہنگاموں کے دعوت نامے آسانی سے ملتے رہیں اور وہ اپنے جانے پہچانے لوگوں کو مرعوب کرتے رہیں اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ اپنے عہدوں کے بل پر کانگریسی حکمرانوں کے اتنے قریب پہنچ جائیں کہ اپنی انگلیوں سے اُن کے چیلوں کے تسمے گن کر اپنے ذاتی کاروبار کے سلسلے میں لائسنس یا پرمٹ حاصل کر سکیں۔

یہ بات یقین اور ثبوت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ بمبئی کی انجمن ترقی اُردو کا کوئی رکن اپنے عہدے کی ساری مدت میں اُردو کی فلاح کیلئے ایک کام بھی انجام نہیں دیتا۔ ویسے ذاتی ملاقات میں انجمن کا ہر فرد اُردو کی بقا کے لئے اپنی فکر کا اظہار کرتا ہے، کچھ کر گزرنے کے ارادے کا ذکر کرتا ہے اور وفا نامے پر اپنے اصلی خون سے دستخط کر دینے کیلئے تیار نظر آتا ہے لیکن مقطع میں یہ کہہ کر کہ "ہم تو اُردو کیلئے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں مگر صابو صدیق کمپاؤنڈ کا فلاں چوکی دار ہمیں کچھ کرنے نہیں دیتا" فوراً ترنم خاں سے فریب چند بن جاتا ہے۔

علی گڑھ کی انجمن اُردو کے حق میں ظلم آرا ہے تو بمبئی کی انجمن بھی اُردو کے لئے ستم یارہ بنی ہوئی ہے اس نے بھی حال ہی میں اپنی پرٹی پی

اپنے خلیفہ کو سرِ ممبر ٹوک دینے والا مسلمان اس حد تک بے نیاز اور بے حس بن چکا ہے کہ وہ اپنے قومی کارکنوں سے اپنی مادری زبان کے سلسلے میں قطعی بازپرس نہیں کرتا۔ ہائے! مسلمان کی غیرتِ قومی کو کیا ہوا؟!

کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایک پندرہ روزہ جریدہ "اُردو نامہ" جاری کیا ہے۔ انجمن کے کسی رکن سے اگر اس جریدے کے اجراء کا مقصد معلوم کیا جائے تو یہی جواب ملتا ہے کہ "ہمیں تو اس سے اتفاق نہیں"۔ تو صابو صدیق کمپاؤنڈ کے فلاں چوکی دار نے اپنے لئے جاری کیا ہے! ظاہر ہے یہ جریدہ ذاتی پبلسٹی ہی کے لئے ہو سکتا ہے۔ ویسے بمبئی کے 'انقلاب' 'اُردو ٹائمز' 'آج' 'ہندوستان' اور 'قیادت' جیسے روزنامے جہاں کسی کریم بخش کے گھر چاند سا بچہ پیدا ہونے کا مژدہ سناتے ہیں تو وہاں کسی چال کی چھوٹی سی کھولی میں منعقد ہونے والی ادبی نشست کا اعلان شائع کرتے ہیں اپنے وسیع قلب کا ثبوت دیتے ہیں۔ اُردو زبان سے متعلق ہر چھوٹی بڑی اہم اور غیر اہم خبر شائع کرتے کسی دوسرے علاقے کا کوئی اخبار بمبئی کے کسی اخبار کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس بنا پر "اُردو نامہ" کے اجراء کا مقصد قومی فنڈ سے ذاتی پبلسٹی کے سوا اور کچھ نہیں بمبئی کی انجمن کا ہر رکن طرفہ معجون سے کم نہیں۔ وہ اس امر کا بڑی شد و مد سے پروپیگنڈا کرتا ہے کہ ریاست مہاراشٹر میں اُردو زبان کوئی مسئلہ ہی نہیں ——— ریاست مہاراشٹر میں بولی جانیوالی زبانوں میں (سرکاری اعداد و شمار کی رُو سے) اُردو تیسری بڑی زبان ہے مگر یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ مہاراشٹر میں رہنے والوں کو اُردو زبان میں پتہ لکھے ہوئے خطوط پندرہ پندرہ دن کی تاخیر سے ڈیلیور کئے جاتے ہیں اور اگر ڈیلیوری پوسٹ آفس کا اکلوتا اُردو داں سارٹر کبھی چھٹی پر چلا جاتا ہے تو پوسٹ آفس میں بلا مبالغہ لاکھوں خطوط کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ مہاراشٹر کی عدالتوں میں اُردو تو درکنار ہندی سے بھی کام نہیں چلتا۔ آل فنسٹن جیسے کلاسیکی کالج سے اُردو مضمون کو ختم کیا جا چکا ہے۔ حکومت مہاراشٹر کی جانب سے ہر برس جن کتابوں کو قابلِ انعام سمجھا جاتا ہے ان میں مراٹھی کے ساتھ ساتھ نہ صرف ہندی اور انگریزی زبان کی کتب شامل ہوتی ہیں بلکہ گجراتی زبان کی چو پڑیوں کو بھی قابلِ غور سمجھا جاتا ہے اور اس مقابلے میں نظر انداز کیا جاتا ہے تو اُردو زبان کی کتابوں کو

حد یہ ہے کہ قومی یکجہتی کے کسی سرکاری یا عوامی اجتماع، نمائش یا جلوس میں بھی اردو زبان کو نمائندگی نہیں مل پاتی۔ اس پر طرفہ تماشا یہ کہ بمبئی کی انجمن ترقی اردو کے خیال میں مہاراشٹر میں سرے سے اردو زبان کا کوئی مسئلہ ہی نہیں۔

انجمن ترقی اردو ہند کی دہلی شاخ بھی اپنی دوسری بہنوں کی طرح بچھو ہڑ اور کھوا کھیڑی ہے اور گھوڑے سے پہلے نعل خرید لینا ضروری سمجھتی ہے۔ دہلی میں جن سنگھ اردو کو مٹانے پر تلی ہوئی ہے۔ ایڈ منسٹریٹر دہلی نے سہ لسانی فارمولے میں جنوبی ہند کی کسی زبان کو شامل کرنا ضروری سمجھا ہے مگر اردو کو نہیں۔ مگر دہلی کی انجمن اس فکر سے بے نیاز ہو کر "اردو گھر" بنانے میں لگی ہوئی ہے۔ اب کوئی پوچھے کہ یہ اردو گھر ہوگا یا اردو کا میوزیم؟ اس میں کیا ہوگا اور کیا رکھا جائے گا؟ کیا اس گھر میں اردو مرحوم کے نوادرات رکھے جائیں گے؟ تاکہ غیر ممالک سے آنے والے سیاحوں کو بتایا جا سکے کہ آپ نے آگرے میں تاج محل دیکھا اور اب دہلی میں بیج بانز کا روضہ بھی دیکھیے! بہتر تو یہ تھا کہ جو کثیر رقم اردو کے اس روضے پر صرف کی جا رہی ہے۔ وہ اردو کی زندگی اور اسکی سلامتی پر خرچ کی جاتی۔ پہلے زندگی شرط ہے، زندگی ہے تو جھونپڑی میں بھی گزر سکتی ہے۔ جب بہو بیگم نہ رہی تب لال حویلی کا فائدہ؟ ضرورت ہے کہ اردو کو ایک تحریک بنایا جائے نہ کہ کسی میوزیم کی زینت!

بہار اور اڑیسہ کی شاخیں بھی بلند بانگ دعوے کرنے اور شور مچانے میں انجمن کی دوسری تمام شاخوں سے بہت آگے ہیں جبکہ اُن کی غرض صرف یہ ہے کہ اُن کے ارکان اردو زبان کے نعرے پر عام انتخابات میں حصہ لیں اور اسمبلی یا پارلیمنٹ میں پہنچ جائیں۔

پچھلے برس بیج آبی گندم کا ایک دانہ بھی آیا تھا۔ شہر کے مختلف اردو داں حضرات سے وہ ملا۔ چند اردو اداروں کی سیر کی، چند ادبی نشستیں اس کی شان میں منعقد ہوئیں، جب اس نے اپنا کلام سنا کر اپنے آپ کو متعارف کرایا تب معلوم ہوا کہ وہ تو لفظ شاعر تھا اور بیج آب کی انجمن ترقی اردو کا نمائندہ بھی ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ساحر کے دیس لدھیانے میں ایک اردو کانفرنس منعقد کرنے کے سلسلے میں گھر سے نکلا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ایک "نمائشی ریل گاڑی" کی طرح ذاتی پبلسٹی کی خاطر ہر اسٹیشن پر رکتا تھا اور اپنی نمائش کرتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اکثر لوگ یہ سوچ کر اسکے میزبان بن جاتے تھے کہ وہ بھی کانفرنس کے خرچ پر بذریعہ ہوائی جہاز لدھیانے مدعو کیے جائیں گے۔ چنانچہ بیج آبی گندم کے اس دانے سے بیج آب کی انجمن ترقی اردو کا حال جان لینا مشکل نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انجمن ترقی اردو کا رکن وہی بنتا ہے جو کپتی مار ہوتا ہے! چنانچہ ان شاخوں سے جڑ کی نوعیت کو سمجھ لینا مشکل نہیں ہے۔ انجمن ترقی اردو کی مرکزی قیادت جس راہ پر چل رہی ہے اس سے ہندوستان کی اردو زبان کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ انجمن کا ہر رکن اجتماعی اور قومی مفاد کو پس پشت ڈال کر صرف اپنے دلدر دور کرنے میں لگا ہوا ہے۔ جو لوگ ہر ۲۶ ویں جنوری کی صبح کو اپنا نام اخبار میں تلاش کرنے کے عادی ہو چکے ہوں وہ حکمراں طبقے کے سامنے اردو زبان کی بقا کے لیے اپنا منہ نہیں کھول سکتے۔ منہ نہ کھلنے کا سبب یہی ہے کہ ہر برس اکتالیس ہزار سرکاری روپے اس میں ٹھونس دیئے جاتے ہیں اور یہ منہ اس لیے ابھی نہیں کھل پاتا کہ "علی گڑھ تاریخ اردو" کے نام پر چار لاکھ سرکاری روپے اس میں بھرے جا چکے ہیں جبکہ اس تاریخ کا اب تک صرف ایک ہی حصہ شائع ہو سکا ہے اور وہ بھی تاریخی اغلاط سے پُر ہے۔

جہاں تک سرکاری امداد کا تعلق ہے اس سلسلے میں ہر پڑھا لکھا شہری جانتا ہے کہ سرکار کسی غیر ملکی ذات کو نہیں کہتے، بلکہ جمہوری نظام میں ہم سب مل کر سرکار بنتی ہے اور ہر شہری ٹیکس کی صورت میں جو چھوٹی بڑی رقمیں ادا کرتا ہے اس کی مجموعی صورت کو سرکاری خزانہ کہتے ہیں۔ چنانچہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، کو جو سالانہ مالی امداد سرکار کی جانب سے ملتی ہے اس میں ہر شہری کی گاڑھی کمائی کا کچھ نہ حصہ شامل ہوتا ہے اور یہ امداد انجمن کو اردو کی زندگی کے لیے دی جاتی ہے جبکہ انجمن کے ارکان اپنی زندگی سنوارنے میں لگے ہوئے ہیں۔

یہ بات بھی افسوس ناک ہے کہ انجمن ترقی اردو ہند (اور اس کی شاخیں بھی) اپنی کارگزاری سے ہندوستان کے اردو داں عوام کو بے خبر رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت کم اردو داں اشخاص کو یہ معلوم ہے کہ انجمن کا آئین کیا ہے، ممبری کی فیس کتنی ہے۔ عہدیداروں کے انتخابات کب ہوتے ہیں۔ فلاں کرسی پر ہر برس ایک ہی شخص کیوں نظر آتا ہے، انجمن کا بجٹ کیسے بنتا ہے، کس مد پر کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے

مرکزی دفتر میں تنخواہ دار ملازموں کی تعداد کتنی ہے جن اشخاص کو ملازمت دی جاتی ہے ان کی تعلیمی یا علمی صلاحیت پر کس طرح غور کیا جاتا ہے اور جو عوامی ادارہ اس حد تک اندھیرے میں چل رہا ہے اُس کو کس طرح حکومت ایک بھاری رقم ہر برس دیئے جا رہی ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اپنے خلیفہ کو سرِ ممبر ٹوک دینے والا مسلمان اس حد تک بے نیاز اور بے حس بن چکا ہے کہ وہ اپنے قومی کارکنوں سے اس سلسلے میں قطعی بازپرس نہیں کرتا! ہائے! مسلمان کی غیرتِ قومی کو کیا ہوا؟ مسلمان کی اس بے حسی پر تو رونا آتا ہے ؎ **بتاؤ ایسے مریضوں کا ہے علاج کوئی؟ کہ جن سے حال بھی اپنا بیان نہیں ہوتا**۔ سوال یہ ہے کہ انجمن ترقی اردو ہند اور اس کی شاخیں، کیوں کچھ نہیں کر پاتیں وہ پچھلے اکیس برس میں اردو کی فلاح کے لئے ایک قدم بھی کیوں نہیں اٹھا سکی؟ جواب واضح ہے کہ اس کے پاس کوئی لائحہ عمل ہی نہیں ہے اس نے کچھ کرنے کے لئے کبھی کوئی پروگرام ہی نہیں بنایا۔ انجمن کے ارکان اُردو کے میدان میں سپاہی بن کر ضرور اترے مگر بنتے ان کے پاس بازو ہے مگر خوشامد کے تُن آب سے بھیگی ہوئی۔ نشان ان کے سامنے ہے مگر ذاتی مفاد کی پٹی ان کی آنکھوں پر بندھی ہوئی ہے اس لئے نشانہ نہیں لگا سکتے ؎ **بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے، ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیئے** (اقبال)

چنانچہ اب یہ حقیقت کھُلتی جا رہی ہے کہ انجمن کا ہر رکن اُلّو لو ہے — اُردو کا قاتل، اُردو کا صالح نہیں!

جب صورتِ حال یہ ہے تو ہندوستان کے اُردو داں عوام کا فرض ہے کہ وہ اپنی مادری زبان کو زندہ رکھنے کا کام خود اپنے ہاتھوں میں لیں اور وہ اس طرح:— کہ اُردو داں عوام اور ہندوستان کی وہ تمام جماعتیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے اُردو کے کاز کے لئے جد و جہد کر رہی ہیں مل کر اعلان کریں کہ موجودہ انجمن ترقی اُردو ہند (علی گڑھ) اُردو داں عوام کی ترجمان نہیں ہے — انجمن ترقی اُردو ہند کو سرکاری جنگل سے نکال کر ایک آزادانہ حیثیت دی جائے اور ایسا کرنے کے لئے حکومتِ ہند کی جانب سے ملنے والی امداد قبول نہ کی جائے۔ کل ہند بنیاد پر ایک ایک روپے کے ایک لاکھ سالانہ ممبر بنائے جائیں۔ ایک لاکھ روپے کی سالانہ آمدنی ممبران کے ذریعہ ہو جانا کچھ مشکل نہیں، جب ایک عام اُردو داں ایک روپیہ خرچ کر کے براہِ راست انجمن کا ممبر بنے گا تو فطری طور پر اُس کو انجمن سے اور اُردو کی تحریک سے آج کی بہ نسبت زیادہ دلچسپی ہو گی — دریا گنج، دہلی سے ۲۳ ویں ستمبر ۱۹۴۶ء کو بابائے اُردو مولوی عبدالحق، گاندھی جی کو ایک خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابتدا میں ہندی اُردو کا جھگڑا صرف بہار اور یوپی تک تھا کبھی کم کبھی زیادہ۔ لیکن جب آپ نے اس میدان میں قدم رکھا اور یہ اعلان کیا کہ اس ملک کی عام زبان یعنی راشٹر بھاشا، ہندی ہے اور سارے ملک اور خاص کر اُن علاقوں میں اسکے پھیلانے پر کمر باندھی جہاں کی زبان کو ہندی سے دور کا واسطہ نہ تھا (جیسے صوبہ مدراس) تو یہ جھگڑا آگ کی طرح سارے ملک میں پھیل گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ مولوی عبدالحق نے مجرد رہ کر اپنی ساری زندگی اُردو کی خدمت میں صرف کی ہے۔ اس لئے اُن کے خط کی اس تحریر کے سلسلے میں کسی شبہہ کا امکان نہیں ہو سکتا۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ آج کے ہر خود ساختہ بابائے اُردو سے کہیں زیادہ سچے انسان تھے چنانچہ مولوی صاحب کے بقول خود گاندھی جی اُردو کے حق میں نہیں تھے۔ اور جب گاندھی جی کا انداز فکر یہ تھا تو پھر کس کانگریسی نیتا سے اُردو دوستی کی اُمید کی جا سکتی ہے اور جب کانگریسی نیتا اُردو کے حق میں کل نہ تھے اور نہ آج ہیں تو پھر کس سیاسی جماعت کے لیڈر سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اُردو کی حمایت کرے گا۔ دراصل اُردو زبان کا مسئلہ قطعی طور پر سیاسی ہے۔

اس لئے اُردو داں عوام اپنی اس اُردو تحریک کے سلسلے میں کسی بھی سیاسی لیڈر کو (خواہ وہ مسلم فرقے ہی سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو) کسی وزیر کو یا کسی سرکاری افسر کو اپنا سرپرست، نگراں یا راہ نما نہ بنائیں۔

اُردو تحریک کے لئے سب سے زیادہ خطرناک اعزاز یافتہ اشخاص ہیں جس طرح ماضی میں مسٹر اور خان بہادر عوام کے ترجمان نہیں بن سکتے تھے۔ اسی طرح آج کے پدم شری، پدم بھوشن ہز ماسٹرس وائسس ہیں۔ چنانچہ ایسے خود غرض لوگوں سے اُردو کی آبرو کو بچانا ہے جو اپنے مفاد کے لئے ساری قوم کو بیچ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں — ذرا غور کیجئے ہندی کے حامیوں کے خلوص پر ان کی یہ بات قابلِ قدر اور قابلِ تقلید ہے کہ وہ اگر ہندی کی ترقی میں تھوڑی سی بھی کمی پاتے ہیں تو اعزازات، خطابات اور وظیفے قبول کرنے سے